تعارف و تبصرہ

اساسیات اسلام

مصنف : مولانا محمد حنیف ندوی

ضخامت : ۲۸۴ صفحات

قیمت : دس روپے پچاس پیسے

شائع کردہ : ادارہ ثقافت اسلامیہ ۔ لاہور

'اساسیات اسلام، ملک کے معروف صاحب قلم اور عالم مولانا محمد حنیف ندوی کی تازہ تصنیف ہے جس میں فرد اور معاشرے کے فکری اور تہذیبی مسائل کا تجزیہ اور ان کا حل اسلامی تعلیمات کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے ۔ زیر نظر تصنیف مولانا موصوف کی طباعی، ذہانت ، وسعت مطالعہ اور گہرے غور و فکر کی غماز ہے ۔ انھوں نے عصر حاضر کے مسائل کو معروضی انداز سے سمجھنے اور سمجھانے کی پرخلوص اور سنجیدہ کوشش ایک خوش فکر عالم دین کی حیثیت سے کی ہے ۔

عصر جدید، سائنس اور ٹیکنالوجی کی محیرالعقول ایجادات، تسخیر خلاء علم وتحقیق کی وسعتوں اور ذہن انسانی کی فتح مندیوں کا عہد ہے ۔ اس عہد میں بے پناہ الجھے ہوئے اور پیچیدہ مسائل بھی عالم انسانیت کے لئے پیدا ہوگئے ہیں ۔ سیاسی، اقتصادی اور سماجی مسائل کا ایک وسیع سلسلہ ہے ۔ کچھ قومیں بے پناہ دولت و طاقت حاصل کر کے بے جا پندار کی خوگر ہو گئی ہیں، ان کے پاس مہلک ہتھیار، پیچیدہ سیاست اور خطرناک استعماری عزائم ہیں، اور بہت سی قومیں احساس کمتری، خوف و ہراس، ذلت و پسماندگی اور تقلید و بے چارگی کی قابل رحم حالت میں مبتلا ہیں، اس پس منظر میں

جدید مسائل کو ایک مسلمان، اسلام کے نقطہٗ نظر سے سمجھنا چاھتا ھے اور اپنے لئے ایک لائق عمل حل متعین کرنا چاھتا ھے۔ مولانا ندوی کی یہ کتاب انہی سوالوں کے جواب کی کوشش ھے۔

سائنس اور علوم و فنون کی جدید ترقیات کا مرکز مغربی ممالک ھیں، اس باب میں باقی دنیا بہر نوع ان کی خوشہ چین ھے۔ بدقسمتی سے یورپ میں علوم کی نشأۃ ثانیہ کے علمبرداروں کو عیسائی پادریوں اور ان کی ھم نوا حکومتوں نے اپنے خوفناک جور و ستم اور عقوبت و تعذیب کا ھدف بنایا، اور عیسائی پادری جو اپنے توھمات اور مزعومات کو عین مذھب خیال کئے بیٹھے تھے، جدید علوم اور تحقیقات کو اپنی خرافات کے مطابق نہ پاکر سرے سے علم و سائنس ھی کے دشمن بن گئے اور ایک انتہائی غلط، نامعقول اور بے محل جنگ چھیڑ دی۔ بالآخر علم کو توھم پرستی، جہالت اور ڈھکوسلے پر فتح حاصل ھوئی اور یورپ میں علم و سائنس نے صنعتی انقلاب پیدا کر کے ایک نئی دنیا بنا ڈالی۔ یورپ میں کلیسا اور علم و تحقیق کے تصادم نے ذھنوں میں یہ غلط بات بٹھادی کہ مذھب ھر حال میں علم و تحقیق اور سائنس و ایجاد کا دشمن ھے۔ اس غلط خیال کا پروپیگنڈا کچھ اس زور شور سے ھوا کہ آج بے شمار لوگ بغیر سوچے سمجھے یہ خیال کرنے لگے ھیں کہ مذھب ترقی اور علم و ایجاد کا دشمن ھے اور کوئی قوم یورپی اقوام کی طرح مذھب کو کلیۃً عملی زندگی سے خارج کئے بغیر ترقی کر ھی نہیں سکتی۔ دنیائے اسلام کی بدنصیبی اور بدقسمتی کہ وہ مغربی سامراج کی صدیوں کی غلامی، اپنے نامعقول سماجی ڈھانچے، غلط اور ابتر سیاسی نظام اور بے روح و غیر فعال دینی و سیاسی قیادت اور صحیح و صحت مند تعلیم کے فقدان کے باعث ھنوز پسماندہ اور زوال آمادہ ھے۔ چنانچہ ھمارے یہاں بھی دو انداز فکر وجود میں آگئے۔ ایک مغربی تعلیم یافتہ طبقہ جس نے جدید تعلیم کے منفی اثرات کے نتیجے میں یہ سمجھنا شروع کردیا کہ ھماری موجودہ پسماندگی اس وقت تک ختم نہ

ہوگی جب تک کہ ہم فکر و عمل میں مغرب کی مکمل تقلید نہ کریں اور دین کو عملی زندگی سے کلیۃً خارج نہ کردیں ۔ یہ گروہ خود کو جدید بنانے کے شوق میں سرے سے دین اور اس کی مسلمہ اقدار کا ہی قلع قمع کرنے پر تل گیا۔ دوسرا طبقہ جو روایتی دیندار بھی تھا اس تصور کا حامی بن گیا کہ ہر جدید چیز خلاف دین ہے اور اس پر وقت صرف کرنا ایک بے فیض اور غیر ضروری مشغلہ ۔ جدید علوم و افکار اور سائنس و ٹیکنالوجی کے بغیر بھی صدیوں پرانی فقہ اور تصوف کے زاویہ خمول میں زندگی بسر کی جاسکتی ہے ۔ ایک گروہ اپنے ظاہر و باطن میں مغرب زدہ بننے پر اس حد تک آمادہ کہ اسے کفر و الحاد اور حرام و ناجائز سے بھی گریز نہ ہو۔ دوسرا مغرب کی ہر شے سے بیزار و متنفر اور زندگیوں کو صدیوں پیچھے لے جانے پر مصر۔ غرض دونوں کے ہاتھوں مسلم معاشرے کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ۔ خدا کا شکر ہے کہ عصر جدید میں احیائے اسلام کی جو متعدد چھوٹی بڑی تحریکیں اٹھیں ، کچھ عالم، دانشور اور مصلح اٹھے اور انھوں نے صدیوں کے جمود پر ضرب لگائی اور مسلمانوں کو ذہن نشین کرایا کہ اسلام دین فطرت ہے اور کوئی دین فطرت علم و سائنس یا فکر و ایجاد کے باب میں معاندانہ رویہ اختیار کر ہی نہیں سکتا۔

دنیائے اسلام کے زوال کا سبب اسلام نہیں، اسلام سے انحراف ہے، دین کی اساسی اقدار اور اس کے عقائد زندہ و تابندہ ہیں، اس کی تعلیمات، اس کے افکار آج بھی حسن کردار اور حسن عمل کے اس دلآویز سانچے میں انسانی معاشرے کو ڈھال سکتے ہیں جو عدل و حریت، اخوت و مساوات، لطف و کرم، خدمت و عمل، احسان و ایثار کو مخلصانہ طور پر اختیار کرنے کے نتیجے میں لازماً پیدا ہوتا ہے ۔ اسلام علم و فن اور سائنس و ایجاد کی تازہ کاریوں کی سب سے بڑھ کر حوصلہ افزائی کرتا اور انھیں فلاح انسانیت اور عالم گیر انسانی برادری کی خدمت کے لیے وقف کر دینے کی ترغیب دیتا ہے ۔ مولانا محمد حنیف ندوی کی زیر نظر کتاب اسی نقطہ نظر کو پیش کرتی ہے

انھوں نے نہایت ژرف نگاھی کے ساتھ عصر جدید کے مسائل پر روشنی ڈالی ھے افراط و تفریط دونوں سے صرف نظر کرتے ھوئے نہایت معتدل، غیر جذباتی مگر موثر اور حکیمانہ انداز میں اسلام کی اساسیات کو ذھن نشین کرانے کی سعی کی ھے، ان کا نقطہ' نظر یہ ھے کہ جدید سائنس، جدید علوم، ایجادات، جمہوری اور سماجی ادارے جن سے یہ عہد عبارت ھے، انھیں اصلاح و ترمیم یا ان کے مقصد و منہاج میں گونہ تبدیلی پیدا کرکے اختیار کیا جاسکتا ھے۔ البتہ ان ثقافتی مظاھر کو ھم اختیار نہیں کرسکتے جو نفس پرستی اور ھوسناکی کی پیداوار ھیں مثلاً رقص، مجسمہ سازی اور موسیقی وغیرہ۔ ابلاغ کے ذرائع صحافت، ریڈیو، ٹیلیویژن جیسے غلط مقاصد کے لئے استعمال کیا جارھا ھے، مسلم معاشرہ انھیں صحت مند رجحانات اور اصلاحی و تعمیری مقاصد کے لئے استعمال کر سکتا ھے، مولانا کے نزدیک موجودہ حالات میں جمہوریت ایک لائق ترجیح طرز حکومت ھے اور اسے مسلم ممالک میں اختیار کیا جانا چاھئے۔ عورتوں کو عملی زندگی میں حصہ لینے کے مناسب مواقع ملنے چاھئیں اور مملکت کے جملہ افراد کی معاشی ضرورتیں وقار اور عزت کے ساتھ پوری ھونی چاھئیں اور ظلم و استحصال کی ھر صورت کا خاتمہ ھونا چاھئے۔ کتاب نہایت عمدہ اسلوب میں لکھی گئی ھے۔ تعمیر فرد کی بحث ھو یا حیات و کائنات کے قدیم و جدید تصورات پر اظہار خیال، فلسفہ' وجودیت کا تذکرہ ھو یا حیات بعدالممات پر عقلی گفتگو۔ نظریہ' توحید کی آفاقیت اور ھمہ گیری اور توحید کے حیات آفرین تصور کا بیان ھو یا نماز اور اسلامی ذوق عبادت کی نفسیاتی اھمیت کا اظہار (جو عام سطح سے بالکل بلند ھوکر کی گئی ھے) یا اسلام کے تصور ثقافت اور اس ضمن میں جملہ فنون جمیلہ کے خوب یا ناخوب پر خامہ فرسائی ھو۔ اسلام کے سیاسی نظام کی تشریح ھو یا اقتصادیات میں اسلام کے موقف کی توضیح ھو۔ اسلام کے نظریہ اخلاق پر روشنی ڈالی گئی ھو یا دوسرے حکماء و فلاسفہ کے اخلاقی تصورات پر اظہار خیال ھو۔ مصنف نے دلآویز گفتگو کی ھے۔ مختلف

وارد ہونے والے اعتراضات کے جوابات دئے ہیں اور بعض بظاہر متضاد و متصادم خیالات میں مطابقت کی صورت پیدا کی ہے۔

ضروری نہیں کہ مصنف کی ہر رائے سے اتفاق ہی کیا جائے اور جو کچھ انھوں نے لکھ دیا ہے اس پر بحث و نظر کی گنجائش نہ ہو۔ مصنف کی یہ رائے کہ اشتراکیت کی اقتصادی روح کو اسلامی سانچے میں ڈھالا جاسکتا ہے یا آیندہ چل کر اشتراکیت اور دین میں اتحاد ابھر کر رہے گا (ص ۲۰۷) قطعاً محل نظر ہے۔ بایں ہمہ کتاب عقلیت، منطقی انداز فکر اور روشن خیالی پیدا کرنے کی ایک کوشش ہے اور ہمارے تعلیم یافتہ طبقے کو دعوت مطالعہ دیتی ہے۔ جدید تعلیم یافتہ افراد کو یہ کتاب اسلام کی اساسیات اور اس کے بنیادی فلسفہ سے روشناس کرائے گی اور عربی درسگاہوں کے طلبہ کو جدید افکار و مسائل پر غور و فکر کی استعداد بخشے گی اور وہ عصر حاضر کے پر پیچ مسائل پر حقیقت پسندانہ بالغ نظری سے سوچنے کے قابل ہو سکیں گے۔

(الیس احمد اعظمی)